ناصر کاظمی کی شاعری میں عکسِ جاناں

ڈاکٹر تنویر الرحمٰن

لیکچرار (اردو)

گورنمنٹ ایسوسی ایٹ کالج، بھاگٹانوالہ (سرگودھا)

Abstract:

A prominent name among the modern Urdu Ghazal poets after the partition of India is Nasir Kazmi. He has a charming blend of classical tradition and modernity of Urdu poetry. In his Ghazal, Nasir Kazmi has described the beauty of nature as well as the subjects of love and affection and the beloved. In his description of love and affection, his tone is gentle and the description is closer to reality. He not only sings songs of love and affection for the beloved, but also describes the bitterness of grief. He has kept local and traditional values in mind in his description of the beloved. He has not presented an imaginary form of the lover and affection, but has presented it in the form of the movements and silences and psychology of a common man of the present era. Nasir Kazmi has beautifully described the attitudes of the beloved as well as his mental and psychological motivations and feelings in his Ghazal. Nasir's love for the beloved rises above the desire for physical connection and descends into the personality of the beloved. This article describes Nasir's concept of love and the beloved.

Key Words: Imitation, Cultural milieu, Imagery, Personification, Sensory Pleasure, Internal sensations, Mental & Psychological Triggers

کلیدی الفاظ: تقلید، تہذیبی فضا، تمثال کاری، تجسیم کاری، حسیّاتی لذت، داخلی محسوسات، ذہنی ونفسیاتی محرکات

آزادی کے بعد ادبی افق پر نمودار ہونے والے شعرا میں ایک نمایاں نام ناصر کاظمی کا ہے۔ وہ جدید اردو غزل کے صفِ اوّل کے شعرا میں شمار ہوتے ہیں کیوں کہ ان کی شاعری میں تازگی کا احساس اور موضوعاتی ندرت ایک منفرد آواز کی گونج بن کر ابھری ہے۔ نئے غزل گو شعرا نے ناصر کاظمی سے متاثر ہو کر اپنی شاعری کو نئے امکانات سے ہم کنار کیا۔ ناصر نے غزل کی جس مانوس روایت سے اپنا رشتہ استوار کیا، وہ میر تقی میر کی غزل تھی۔ انھوں نے آسان وسادہ زبان میں میر کی پیروی کرتے ہوئے اپنے درد انگیز جذبات کو پیش کیا۔ ناصر کے متعدد اشعار میر کی جھلک پیش کرتے ہیں ۔ناصر کاظمی نے جس عہد میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا اظہار غزل میں کیا، اُس عہد کی اردو شاعری میں میر کی پیروی ایک عام رجحان بن کر ابھر رہی تھی۔ ناصر کاظمی کے معاصر شعرا خلیل الرحمٰن اعظمی اور ابن انشا بھی اپنے احساسات

وجذبات کو رنگِ میرؔ میں پیش کر رہے تھے۔ناصر کاظمی نے شعوری یا لاشعوری طور پر میر کی تقلید کی مگر پیروی کرتے وقت اپنی انفرادی بصیرت کو بھی ملحوظ رکھا یوں وہ روایتی ہو کر بھی جدید شاعر کہلائے۔

کلاسیکیت اور جدیدیت کے حسین امتزاج کو جن غزل گو شعرا نے اپنی فنکارانہ صلاحیتوں کے ساتھ شعری پیکر میں ڈھالا ہے، ان میں ناصر کاظمی سر خیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ناصر زبان، لہجہ، اسلوب اوراحساس وجذبات کی سطح پر روایتی ہو کر بھی جدید غزل گو کی حیثیت سے ابھرے۔ناصر نے تقسیم کے بعد نئی زندگی کے معاملات ومسائل، حالات اور واقعات کو شاعری میں جگہ دے کر غزل کو نئی بلندی عطا کی۔ان کی غزلوں کا منفرد انداز جدید دور کے انسان کے جذباتی اور ذہنی تجربات کا غماز ہے۔ان کے سوچنے کا شعوری اور لاشعوری عمل نیز تمثال کاری اور تجسیم کاری میں تنوع اور مشاہداتی قوت، ناصر کو ایک رجحان ساز شاعر بناتی ہے۔ناصر نے غزل کی ایک علاحدہ بستی بسائی جس میں فطرت اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوئی۔ناصر کاظمی نے، اپنی غزلوں کو توانا اور ثروت مند بنانے کی غرض سے معاصر شعرا کی تقلید میں خارج سے باطن کی بجائے باطن سے خارج کی طرف مراجعت کو ترجیح دی۔ان کے ہاں غزل میں جو استعارات، تشبیہیں اور علائم استعمال ہوئے ہیں، ان میں پائی جانے والی ندرت، تازگی اور تاثیر محض ناصر کے عہد تک محدود نہیں بلکہ انھیں موجودہ معاشرتی تناظر میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

ناصر کاظمی نے جب شعور کی آنکھ کھولی تو اپنے سامنے حسن کے کئی جہانوں کو منکشف ہوتے پایا۔چاند، آسمان، ستارے، پہاڑ، آبشاریں، ندیاں، چشمے، درخت، دریا، سمندر، صحرا، میدان، سرسبز وادیاں، سرخ سبز نیلے پرندے، چوکڑیاں بھرتے ہوئے ہرن، پانی کی تلاش میں ہجرت کرتی ہوئی مرغابیاں، صبح سویرے حمد کرتی ہوئیں چڑیاں، گھروں کو لوٹتے ہوئے پنچھی، ڈوبتا اور چڑھتا ہوا سورج، وصل کا چاند اور ہجر کے تارے، بدلتے موسموں کی خوشبوئیں، خزاں رسیدہ پتوں کی آوازیں، پھولوں کی مہک، کانٹوں کی چبھن، غرض فطرت کے حسن کی لازوال اور بے مثال تصویریں ناصر کاظمی کے شعور کی پہلی پرواز کا عکس جمیل تھیں اور یہی عکسِ جمیل ناصر کی شاعری کا موضوع بنا۔حسن کی انھی لازوال اور بے مثال تصویروں میں ایک تصویر محبوب کی بھی ہے۔

عشقیہ واردات وکیفیات کا بیان ناصر کے ہاں توانا صورت میں ملتا ہے۔انھوں نے غمِ جاناں اور غمِ دوراں دونوں کو یکجا کر کے ہم پلہ بنا دیا لہٰذا جس اعلا پائے کی شاعری وہ عصری حسیت، انسانی اقدار، یادِ ماضی اور سماجی ومعاشرتی مسائل کو بیان کرنے میں کرتے ہیں، اتنی ہی عمدہ شاعری وہ عشقیہ واردات کے بیان میں بھی کرتے ہیں۔بریلوی(۱) لکھتے ہیں:

"ناصر کاظمی نے جس عشق کی تفصیلات اپنی غزلوں میں پیش کی ہیں اس کی نوعیت تمام تر جذباتی نہیں ہے ۔انسانی زندگی کے بنیادی حقائق سے اس کا تعلق ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ جن معاملات اور واردات وکیفیات کو انھوں نے پیش کیا ہے، ان میں زندگی کی بعض اہم اور بنیادی حقیقتوں کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ ناصر نے عشق کے جذبے کو موجودہ دور کے ایک عام انسان کی حرکات وسکنات کا روپ دے دیا ہے۔ یہ حرکات وسکنات ظاہر ہے کہ خارجی حالات کی پابند ہوتی ہیں، سماجی حالات کا ان پر اثر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عشق میں رنگینیوں کے خیالات کے ساتھ ساتھ انھیں غم کا خیال بھی آتا ہے۔ اداس رہنے میں بھی ایک لذت سی محسوس ہوتی ہے۔ زمانے کا غم انھیں گھیرے رہتا ہے اور وہ حسن وعشق کے لطیف معاملات ومسائل کو اس سے الگ کر کے نہیں رکھ سکتے، اسی لیے ان کے یہاں عشقیہ واردات کے ساتھ زمانے کے غم کا احساس اتنا شدید ملتا ہے۔"

ناصر ان تمام معاملات کا اظہار اپنے اشعار میں کہیں براہِ راست اور کہیں بالواسطہ طور پر کرتے ہیں:

رہِ حیات میں کچھ مرحلے تو دیکھ لیے یہ اور بات تری آرزو نہ راس آئی
یہاں تک بڑھ گئے آلام ہستی کہ دل کے حوصلے شل ہوگئے ہیں
زمانہ پرسشِ غم بھی کرے تو کیا حاصل کہ تیرا غم غمِ لیل ونہار بھی تو نہیں
تلافی ستم روزگار کون کرے تو ہم سخن بھی نہیں راز دار بھی تو نہیں

ناصر نے محض اسلوب، خوب صورت اور مؤثر الفاظ کے استعمال، خوش آہنگ اور دلکش تراکیب، چھوٹی چھوٹی بحروں کے انتخاب، دلکش اور مؤثر زبان وبیان میں جو مہارت حاصل کی ہے، وہ اس عہد کے کسی دوسرے شاعر کو نصیب نہ ہوئی۔ ناصر کاظمی کی زبان اور اسلوب تو روایتی غزل ہی کی توسیع ہیں مگر انھوں نے ان کے ایک نئے رنگ وآہنگ سے آشنا کیا۔ زبان اور لفظیات کو بھی اپنے زمانے کے مزاج سے ہم آہنگ کیا جس سے معنوی پہلو کے امکانات رشن ہوئے، ساتھ ہی تازگی کا بھی احساس ہوا۔

ناصر کاظمی کی غزلوں میں محبوب کا جو تصور ابھرتا ہے وہ کافی حد تک محبوب کی اس روایت کی توسیع ہے جس سے فراق گورکھپوری نے اردو غزل کو متعارف کرایا لیکن یہ مماثلت زیادہ سے زیادہ محبوب کی سراپانگاری اور جنس نگاری سے مستزاد نہ ہوسکی البتہ ناصر کاظمی نے اس سے آگے بڑھ کر اپنے اجتماعی مسائل کے شعور کو بھی غزل میں پیوست کر دیا چناں چہ وہ کبھی تو محبوب کی پرستش کرتے نظر آتے ہیں اور کبھی انھیں اس کے نام سے بھی وحشت ہونے لگتی ہے:

ہوتی ہے تیرے نام سے، وحشت کبھی کبھی
برہم ہوئی ہے یوں بھی، طبیعت کبھی کبھی

اور کبھی محبوب کی قربت میں سکون محسوس کرتے ہیں۔ ناصر کاظمی کی غزل ان منفرد تجربات کو اپنے دامن میں سمو کر محبوب کا ایک منفرد تصور پیش کرتی ہے۔ یہ محبوب جدید دور کے نمائندہ عاشق کی صورت میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ ناصر کی غزلیہ شاعری کی سب سے نمایاں خصوصیت ان کا مدھم لہجہ ہے۔ ان کی یہی انفرادیت ان کے محبوب کے تصور میں مزید نمایاں ہو جاتی ہے۔ ناصر محبوب کے حسن کی تصویر کشی کریں یا اس کے کردار کی تجسیم کریں، اس کی نفسیات اور رویوں پر غزل خواں ہوں یا اس کے حوالے سے اپنے جذبات کا اظہار کریں، ان کی انفرادیت بہر صورت برقرار رہتی ہے۔

ناصر کاظمی کے ہاں غمِ دنیا کے باوجود محبوب کی اہمیت اور محبت کی عنایات کا اقرار ملتا ہے۔ وہ غمِ جہاں کی تلخی کے باوجود محبوب کو فراموش نہیں کر سکتے۔ یہ اہمیت ناصر نے مختلف حوالوں سے واضح کی ہے جس میں ایک حوالہ محبوب کی تجسیم کاری کا بھی ہے۔ بریلوی (۱) لکھتے ہیں:

"ناصر کی عشقیہ شاعری میں محبوب کی ذات اور شخصیت بھی خاصی نمایاں ہے۔۔۔۔ اس کی آنکھیں انھیں دو چھلکتے ساغر نظر آتی ہیں اور وہ اس کے عارض میں شراب کی تھرتھراہٹ دیکھتے ہیں۔ اس کی مہکی ہوئی سانس اور نرم گفتاری ہر ایک روش پر جو نئے نئے گل کھلاتی ہے، اس کو وہ شدت سے محسوس کرتے ہیں۔ اس کا آنچل میں حیا سے منھ چھپانا اور راہوں پر ادا ادا سے رقص کرنا ان کے دل کو لبھاتا ہے ۔اس کی اڑتی ہوئی زلف انھیں یوں پریشاں نظر آتی ہے جیسے کوئی راستہ بھول جاتا ہے۔"

ناصر کاظمی نے اشاروں اور کنایوں، تشبیہوں اور استعاروں میں محبوب کی تجسیم کاری کرتے ہوئے کیسی رنگین اور پرکار تصویریں کھینچی ہیں:

آنکھیں تھیں کہ دو چھلکتے ساغر — عارض کہ شراب تھرتھرائے
مہکی ہوئی سانس نرم گفتار — ہر ایک روش پہ گل کھلائے
راہوں پہ ادا ادا سے رقصاں — آنچل میں حیا سے منھ چھپائے
اڑتی ہوئی زلف یوں پریشاں — جیسے کوئی راہ بھول جائے

محبوب کے حسن کی تجسیم کاری کرتے وقت بھی ناصر اردو غزل کی شعری روایت میں منفرد انداز اپناتے ہیں ۔حسن محبوب کی تعریف کے حوالے سے بھی ان کا انداز جداگانہ ہوتا ہے کیوں کہ انھوں نے سراپا ٔ محبوب میں مقامیت کا رنگ شامل کیا ہے اور محبوب کے تصور میں مروجہ روایات کے برعکس بعض اضافے بھی کیے ہیں۔اسی طرح ناصر نے جدید دور کے عاشق کی نمائندگی کرتے ہوئے جذبہ عشق کو عصرِ حاضر کے ایک عام انسان کی حرکات وسکنات کی شکل میں پیش کیا ہے۔کاشمیری (۲) کے خیال میں "(ناصر کے ہاں) پیکر تراشی کا ایک ایسانادر اور امتزاجی عمل موجود ہے جو قریب قریب تمام حواسِ خمسہ کو متحرک اور متاثر کرتا ہے۔"ان کی غزل میں محبوب کے حوالے سے جسمانی حقائق کے نقوش بہت واضح نظر آتے ہیں:

تمام رات تیرے پہلو سے آنچ آئی　　میں سوتے سوتے کئی بار چونک چونک پڑا

کوئی چپکے سے پاؤں دھرتا ہے　　دھیان کی سیڑھیوں پہ پچھلے پہر

ناصر کاظمی کے ہاں محبوب کا سراپا اور اس کے وصل کا تصور حقیقی ہے۔اس کا محبوب نہ صرف گوشت پوست کا حقیقی انسان ہے بلکہ وہ اس کے وصل کے وقت محبوب کے جسم سے لذت کشید کرنے کا بھی خواہاں ہے۔بقول سرورالہدیٰ (۳)"ناصر کاظمی کا عشق ارضی اور مادی ہے۔وہ عشق کو آفاقی یا سماوی نہیں بناتے۔"

ناصر کاظمی نے اپنی غزل میں محبوب کے رویوں کے ساتھ ساتھ اس کے ذہنی اور نفسیاتی محرکات کو بھی اجاگر کیا ہے او راپنے مخصوص مزاج کے مطابق محبوب کے ان ذہنی رویوں اور نفسیاتی محرکات وعوامل کو بھی اکثر وبیشتر اپنے احساسات کا جامہ پہنا کر اسے اپنے داخلی محسوسات کا حصہ بنایا ہے۔جلیسری (۴) لکھتے ہیں:

"ان کی شاعری میں عشق کے جذبات کی جو کیفیات ہیں وہ روایتی غزل کی روش کے برخلاف نوجوان نسل کی نفسیات، تصورات، خیالات اور جذبات کی حامل ہیں۔"

اسی طرح ان کے ہاں ایک ایسے محبوب کا تصور ابھرتا ہے، جس کا قرب ان کی زندگی کا مقصد ہے۔ناصر کاظمی نے اپنے محبوب کو مختلف اور متنوع جہات کے سیاق میں دیکھنے اور واضح کرنے کی سعی کی ہے۔یہ بھی قابل ذکر ہے کہ انھوں نے محبوب کی خالص سراپا نگاری یا سیرت نگاری نہیں کی بلکہ اپنے محبوب کے سراپا اور کردار کے ساتھ اپنے احساس کو آمیز کر کے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔محبوب کے تئیں ان کے احساسات وخیالات میں خاصا تنوع ہے اور محبوب کا دھیان انھیں ایک سے ایک نئی منزل کی طرف گامزن رکھتا ہے۔

عشق ناصر کی تخلیقی قوت کو متحرک کرتا ہے۔ وہ جذبہ عشق سے سیر اب ہیں مگر اس کو اپنے مخصوص تہذیبی اور سماجی ماحول سے الگ نہیں کرتے۔ بشریٰ(۵) کے خیال میں " ان (ناصر کاظمی) کا تصورِ عشق ان کے داخلی سوزو گداز کا حامل ہے۔۔۔ جو چیز ان کے عشق کو انسانی تجربے میں تنقل کرتی ہے، وہ انسانی رشتوں کی دردمندی، پاکیزگی اور لطافت ہے۔" آسمان کی وسعتوں میں محوِ پرواز ہونے کے باوجود ان کے قدم زمین پر ہی رہتے ہیں اور وہ اپنے محبوب کی جدائی میں شکوہ کناں اور اس کے وصل کے تمنائی ہیں:

بھری دنیامیں جی نہیں لگتا جانے کس چیز کی کمی ہے ابھی
یاد کے بے نشاں جزیروں سے تیری آواز آ رہی ہے ابھی
شہر کی بے چراغ گلیوں میں زندگی تجھ کو ڈھونڈتی ہے ابھی

جوشِ جنوں میں درد کی طغیانیوں کے ساتھ
آنکھوں میں ڈھل گئی تری صورت کبھی کبھی

لیکن وہ قربِ محبوب سے محروم ہیں، اس کے نتیجے میں وہ جگر سوز کیفیت کو محسوس کرتے ہیں۔ اس تناظر میں ان کا عشق قُربِ جسم کی تمنا تک محدود نہیں رہتا بلکہ ان کی روح میں اتر کر انسان کی ازلی خواہش یعنی طلب وآرزو میں بدل جاتا ہے۔یوں عشق ان کے ہاں متنوع رنگ اختیار کرلیتا ہے۔رئیس المتغزلین حسرت موہانی اور فراق گورکھپوری کے ہاں جذبہ عشق محبوب سے فراق ووصل تک محدود رہتا ہے جب کہ ناصر کے ہاں جذبہ عشق، تعلقاتِ انسانی کی راستی، دل کشی اور جذب وکشش کے ساتھ ساتھ شکستِ دل کے المیے میں ڈھل جاتا ہے۔

ناصر کی عشقیہ شاعری جمالیاتی حس کی تشفی کرتی ہے۔ قاری نسوانی حسن کی دل آویزی، رنگ، خوشبو اور لطافت کو محسوس کرتا ہے۔ یہ ہوس پرستی کی بجائے حسیاتی لذت کا موجب بنتا ہے۔ جلیسری(۴) کے خیال میں " ان (ناصر) کے اشعار میں مشاہدے کے ساتھ ساتھ نفسیاتی اور حسیاتی پہلو زیادہ اثر انگیز ہے۔" اصل میں ناصر کاظمی کا شعری مزاج مخصوص تہذیبی، ثقافتی اور سماجی صورت حال سے صورت پذیر ہے اور عشقیہ طرز میں یہ اپنی مخصوص ثقافت سے آب وتاب حاصل کرتا ہے۔

یاد کے بے نشاں جزیروں سے تیری آواز آ رہی ہے ابھی
آج تو وہ بھی کچھ خموش سا تھا میں نے بھی اس سے کوئی بات نہ کی

آنکھ کھلی تو تجھے نہ پا کر میں کتنا بے چین ہوا تھا

درج بالا اشعار میں یاد کے بے نشاں جزیروں سے محبوب کی آواز کا سنائی دینا، قربِ محبوب کے لمحاتِ مسرت انگیز میں دونوں کا خاموش رہنا، آنکھ کھلنے پر محبوب کا موجود نہ ہونا، جیسے واقعات خاص ثقافتی فضا کا ادراک کرواتے ہیں ۔جذبہ عشق کا یہ تصور مناظرِ فطرت یعنی رُتوں،پتوں، پرندوں، آنگن، پھولوں، دھوپ اور دیوار کی وساطت سے نمایاں ہوتا ہے:

پھر ساون رُت کی پون چلی تم یاد آئے
پھر پتّوں کی پازیب بجی ، تم یاد آئے
پھر کاگا بولا ،گھر کے سونے آنگن میں
پھر امرت رس کی بوند پڑی ،تم یاد آئے
دن بھر تو میں دنیا کے دھندوں میں کھویا رہا
جب دیواروں سے دھوپ ڈھلی، تم یادآئے

ناصر برصغیر کی دھرتی سے مربوط ہیں۔وہ زمین پر رہ کر رُتوں، رنگوں، آوازوں کے زمزموں اور خاموشیوں سے پیار کرتے ہیں۔ وہ دوہوں، بھجن اور گیت کے ساتھ ساتھ ، سماجی تیوہاروں اور ثقافتی وتمدنی رشتوں سے جڑے ہوئے ہیں۔ذیل کے شعروں میں "گلی، دیا، خالی کمرہ، جنگل، پیڑ اور پتے" ایک دلچسپ تہذیبی فضا پیش کرتے ہیں:

تیری گلی میں سارا دن دکھ کے کنکر چنتا ہوں
میرا دیا جلائے کون میں ترا خالی کمرہ ہوں
تو جیون کی بھری گلی میں جنگل کا رستہ ہوں

ہم جس پیڑ کی چھاؤں میں بیٹھا کرتے تھے
اب اس پیڑ کے پتے جھڑتے جاتے ہیں

ناصر کا عشق، وصلِ محبوب کا متمنی بھی ہے اور محبوب کو وصل سے سرشار کروانے کا احساس دلانے کی جستجو بھی کرتا ہے۔ وہ اس امید کے ساتھ جیتے ہیں کہ ان کے احساس دلانے پر محبوب، وصل کے لمحات کو مسرت انگیز بنانے

پر رضامند بھی ہو سکتا ہے۔ یہاں ناصر ایک روایتی عاشق کے طور پر ابھرتے ہیں جن کا یقین ہے کہ آہ وزاری، محبوب کے دل کو موم کر سکتی ہے لیکن جذبات کی یہ کیفیت جب ان کی غزل میں اظہار پاتی ہے تو وعدہ، امید، احساس، حسرت کے ملے جلے جذبات کو باہم یکجا کر کے انفرادیت کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے:

دل دھڑکنے کا سبب یاد آیا وہ تری یاد تھی اب یاد آیا
دن گزارا تھا بڑی مشکل سے پھر ترا وعدۂ شب یاد آیا

"وعدہ" ناصر کے ہاں ایک ایسا عہد بن کر ابھرا ہے، جس سے اس کی ساری امیدیں اور خواہشیں وابستہ ہیں۔ ان کی شاعری میں محبوب کے وعدے پر زندگی گزار دینے کا جو چلن ملتا ہے، وعدہ خلافی کی صورت میں وہ اتنا ہی کرب ناک بن کر سامنے آتا ہے۔ کہیں 'وعدۂ شب' دن بھر کی مشکلات کا ازالہ بن کر سامنے آتا ہے تو کہیں یہی وعدہ اک کسک بن کر دل کو مجروح کرتا چلا جاتا ہے۔ ایسا اس وقت ہوتا ہے جب اس وعدے سے وابستہ امیدیں حسرتوں میں بدلتی ہیں، اس وقت پھر محبوب کی مجبوریاں بھی کم تر دکھائی دینے لگتی ہیں:

تیری مجبوریاں درست مگر تو نے وعدہ کیا تھا، یاد تو کر

ناصرؔ وصل وفراق کے لمحات کی لذت کشید کر کے اسے اپنے تخلیقی تجربے میں سمونے میں جو انفرادیت رکھتے ہیں، اس سے وہ اردو غزل کو وصلِ محبوب کے ساتھ ساتھ فراقِ محبوب کی لذت سے بھی آشنا کرتے ہیں۔ دکھ سے لذت کشید کا ہنر ناصر کو خوب آتا ہے اور یہی لذت انگیز لمحات جب یاد بنتے ہیں تو ناصر کا تخیل، جذبات اور احساسات سے لبریز ایک مکمل منظرنامے کے ساتھ ساتھ انھیں یوں شعر کے قالب میں سموتا ہے:

یاد ہے اب تک تجھ سے بچھڑنے کی وہ اندھیری شام مجھے
تو خاموش کھڑا تھا لیکن باتیں کرتا تھا کاجل

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو ناصر کا محبوب بھی اردو غزل کا روایتی محبوب ہے لیکن اس سے جڑے جذبات، احساسات اور ان سے پھوٹنے والی کیفیات کے بیان میں ناصر اپنی انفرادیت سامنے لانے میں کامیاب رہے ہیں۔ کہیں تو وہ محبوب کی تجسیم کاری کرتے دکھائی دیتے ہیں تو کہیں ان کے ہاں وصلِ محبوب کے وقت محبوب کے جسمانی خصائص اور جسمانی حقائق اپنا اظہار پاتے ہیں۔ وہ محبوب کے ذہنی اور نفسیاتی محرکات وعوامل کو اپنے تخلیقی تجربے کا حصہ بناتے ہیں تو کہیں ان کے ہاں وصل کی خواہش حسرت بنتے ہوئے ان کی شعری انفرادیت کو سامنے لاتی ہے۔ ناصر کا محبوب

ایک حقیقی محبوب ہے، جس کا وصل نشاط انگیز اور اس کا فراق کرب ناک ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ناصر، محبوب سے جڑے جذبات، احساسات اور خواہشات کے بیان میں سماجی اقدار کا بھی خیال اور پاس رکھتے ہیں۔

حوالہ جات و حواشی

(۱) بریلوی، عبادت (۱۹۶۱ء)، جدید شاعری، کراچی / لاہور، اردو دنیا، ص۴۹۷، ص ۴۹۲-۴۹۳

(۲) کاشمیری، حامدی (۱۹۹۰ء)، جدید شعری منظر نامہ، سری نگر (کشمیر)، ادارہ ادب، ص ۶۴

(۳) سرور الہدیٰ، (۲۰۰۴ء)، نئی اردو غزل، دہلی، معیار پبلی کیشنز، ص ۲۴۷

(۴) جلیسری، صابر حسین (۲۰۱۷ء)، "ناصر کاظمی کی شاعری کا فکری و فنی جائزہ"، مشمولہ، ماہ نامہ، قومی زبان، جلد :۸۹، شمارہ ۵، کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، ص ۲۰، ص ۲۱

(۵) بشریٰ، عارفہ (۲۰۲۵ء)، "ناصر کاظمی کی غزل گوئی (برگِ نے کے حوالے سے)"، مشمولہ، ناصر کاظمی کا شہرِ غزل (مرتبہ، تنویر الرحمٰن) لاہور، پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، ص ۴۳۶